ڈیموکریسی مغرب کا دین ہے

حامد کمال الدین

hamid@eeqaz.org

یہ مبالغہ نہیں، ہمارے ملک کے ایک معروف دانشور نے چند سال پہلے اپنے اداریے کی باقاعدہ سرخی جمائی تھی:

"مولانا (... ...) نئی بحث نہ چھیڑیں جمہوریت کفر نہیں عین اسلام ہے"

(اداریہ نوائے وقت لاہور 20 فروری 2009)

اُس موقع پر ہم نے ایقاظ[1] میں لکھا تھا:

بقول مدیرِ مکرم: **جمہوریت عین اسلام ہے**...!

یعنی جس وقت امریکہ پاکستان میں 'جمہوریت' کے مطالبے کر رہا ہوتا ہے، اور آپ جانتے ہیں امریکہ کے 'جمہوریت' کے لیے مطالبے کسی وقت اتنے شدید ہو جاتے ہیں گویا ہم نے امریکہ کی کوئی چیز دبالی ہے... تو کیا اس وقت ہم یہ سمجھا کریں کہ امریکہ پاکستان میں 'اسلام' لانے کے مطالبے کر رہا ہوتا ہے؟! اور یہی بات ظاہر ہے یورپی یونین اور کامن ویلتھ کے 'جمہوریت' کے لیے مطالبوں پر صادق آئے گی!؟

جمہوریت عین اسلام ہے تو ہمارے ہاں یہ 'اسلام' آنے کے لیے ہم سے بھی بڑھ کر مغرب اور مغرب کا میڈیا اور مغرب کی کاسہ لیس این جی اوز پریشان ہوتی پھریں! بلکہ

[1] سہ ماہی ایقاظ اپریل تا جون 2009

'جمہوریت' کے معاملے میں جب بھی ہم کوئی 'کوتاہی' کر بیٹھیں تو مغرب کی جانب سے بلا تاخیر اس پر ہمیں 'شو کاز نوٹس' ملیں! کیا یہ کچھ تھوڑا سا عجیب نہیں؟! اسلام کا یہی ایک حصہ آخر کیوں ایسا ہے جس کے حق میں ہم کوئی قصور کر بیٹھیں تو مغرب اس پر گرفت کرنے میں دیر نہیں کرتا؟!

جو شخص مغربی مفکرین کو تھوڑا بہت بھی پڑھتا ہے اس سے ہرگز روپوش نہ ہو گا کہ جن اصطلاحات کو وہ لوگ مغربی طرزِ حیات کے ترجمان الفاظ کا درجہ دے کر رکھتے ہیں، اور 'ترجمان' بھی اس درجے کا کہ ایک ہی لفظ بول کر مغربی طرز حیات کی ''سپری میسی'' کا پورا مفہوم ادا ہو جائے.. ان چند الفاظ میں سے ایک نہایت کثرت سے مستعمل لفظ 'ڈیمو کریسی' ہے جس کو ایک عالمگیر قدر universal value کے طور پر منوانا ان کے ہاں ہر اہم فرض سے اہم تر ہے..جی ہاں democracy for the third world!!!

معلوم نہیں ہمارے یہ معزز دانشور معاملے کی اصل تصویر کو دیکھنے سے کیوں قاصر ہیں۔ حضرات! 'ڈیمو کریسی' آج مغرب کا باقاعدہ دین ہے اور اس کے لیے وہ اسی طرح غیرت میں آتا ہے جس طرح کوئی بھی معاشرہ اپنے دین کے لیے غیرت میں آتا ہے۔ دنیا میں کہیں بھی 'ڈیمو کریسی' کا ذکر ہونے پر اس کے سینے پر ویسی ہی ٹھنڈ پڑتی ہے جیسی کسی بھی قوم پر اپنے دین کا ذکر سن کر پڑتی ہے۔ ہمارے لوگوں کو یہ 'اسلام' میں بھی مل جاتی ہے تو یہ تو مغربی مفکرین کے لیے اور بھی خوشی کی بات ہے! آخر ذاکر نائیک ہندو دھرم کی کتابوں سے ''توحید'' کے کچھ ایسے سبق نکال کر نہیں دکھا دیتے جن کو ہندو آج بھولے ہوئے ہیں؟! مگر اس میں کیا شک ہے کہ ذاکر نائیک کا ہندو دھرم کی کتابوں سے توحید کے حوالے نکال نکال کر دکھانا اسلام کی برتری اور حقانیت ثابت کرنے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ ہندو دھرم کا چہرہ

سنوارنے کے لیے! ابھی ظاہر ہے ہندوؤں کے ہاں ایسے ’دیدہ ور‘ پیدا نہیں ہوئے جو خود بھی اپنی وید سے توحید کے یہ ثبوت نکال نکال کر دکھائیں۔ جس دن ان شاء اللہ دنیا میں توحید کے ڈنکے عین اسی طرح بجنے لگے جس طرح افواجِ استعمار کی فتوحات کے نتیجے میں کوئی صدی بھر سے مغربی اصطلاحات کے ڈنکے بج رہے ہیں___ اور ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں___ تو آپ بہت سی اقوام کے راہنماؤں کو دیکھیں گے کہ اپنے دھرم کی کتابوں سے ”توحید“ کے ثبوت خود نکال نکال کر دکھا رہے ہیں!

ہمارے یہ مسلم دانشور جس معنیٰ میں جمہوریت کو اسلامی کرتے ہیں وہ ہمیں پوری طرح معلوم ہے اور اُس معنیٰ میں ہمیں ان سے بحث کرنے کی بھی کوئی بڑی ضرورت نہیں (کہ اس کا تعلق ’مفروضوں hypothesis‘ کی دنیا سے ہے جیسا کہ ہم اپنی بیشتر تحریروں میں بیان کر چکے)... **البتہ وہ ”وجہ“ جس کے باعث ہمارے یا کسی بھی تھرڈ ورلڈ قوم کے ایک لیڈر کو آج اِس دور میں ’ڈیموکریسی‘ کی مالا جپتے ہوئے ایک اعلیٰ درجے کی ’تسکین‘ محسوس ہوتی ہے خاص طور اگر ہمارا وہ لیڈر ڈیموکریسی کے یہ ’مقدس الفاظ‘ بولتا ہوا مغرب کے کسی ’ڈائس‘ پر بھی کھڑا ہو اور اُس پر ہر طرف سے تالیاں اور داد برس رہی ہو... وہ ”وجہ“ بھلا کسے سمجھ نہیں آتی؟!**

تھرڈ ورلڈ کے اس لیڈر کا تو یہی دل چاہے گا کہ اس کے دھرم کی کتابوں کے ہر صفحے پر ہی اگر کہیں ’ڈیموکریسی‘ کا لفظ کندہ کر دیا گیا ہوتا تو آج اس کا وہ ایک ایک صفحہ پلٹ کر مغرب کے اس خوبصورتی کے ساتھ تالیاں بجاتے مجمع کو دکھاتا کہ صاحب ہم تو ہمیشہ سے ہی آپ جیسے ہیں بلکہ آپ بعد میں ایسے بنے ہم آپ سے پہلے آپ جیسے تھے، یہ ’فرق‘ تو نہ جانے ہمارے اور آپ کے مابین کہاں سے آ ٹپکا... کہ آپ کے ہاں بڑی دیر سے جمہوریت ہے اور ہمارے ہاں اب آ رہی ہے!

یہ ایک واقعہ ہے کہ 'نصرانیت' مغرب کا ''دین'' بہت محدود معنیٰ میں ہے تو 'ڈیموکریسی' بہت وسیع معنیٰ میں۔ نوبت بہ ایںجا رسید کہ 'ڈیموکریسی' کا نعرہ لگا کر ان کے آج کے 'فاتحین' اپنی اقوام سے جنگی مہمات کی 'منظوری' تک لیتے ہیں (خواہ درپردہ ان کا کچھ بھی ایجنڈا ہو، کیونکہ 'دین' کا استحصال ہر قوم میں ہی ہو جاتا ہے)۔ کسی جنگی مہم پر روانہ ہونے کے لیے وہ 'مغربی طرزِ حیات کو بالا دستی دلانے' کے الفاظ منہ پر لاتے ہوئے ابھی پھر جھینپتے ہیں، مگر 'ڈیموکریسی' کا لفظ بول کر وہ اپنا یہ مفہوم پوری طرح ادا کر لیتے ہیں اور تب ایک جنگ تک جائز... بلکہ 'واجب' ہو جاتی ہے!

یقین کیجئے جب کوئی چیز کسی قوم کے لیے ''دین'' ہو جاتی ہے تو اس کو اقوام عالم میں برتری دلانے کے لیے جنگ کرنا اس کی زندگی میں عام سی بات ہوتی ہے۔ دنیا کو بھی اِس پر 'اعتراض' ہو تو ہو مگر ''تعجب'' نہیں ہوتا! 'کمیونزم' کے لیے 'مشرقی بلاک' کا دنیا بھر میں جنگ کرنا دورِ حاضر کا ایک معلوم واقعہ ہے۔ سب کمیونزم سے تنگ تھے مگر کسی کو بھی اس پر تعجب نہ تھا کہ سوویت یونین 'کمیونزم' کے لیے جنگ کرتا ہے!

یقیناً ہمارے لیڈر چاہتے تو 'اشتراکیت' بھی اپنے یہاں ان کو 'تیرہ سو سال پہلے' نظر آسکتی تھی مگر 'ڈیموکریسی' کے بلاک میں ہونے کے باعث 'سوشلزم' کو یہ 'شرعی چھوٹ' دینے کی بجائے ہم نے اُس کے ساتھ جنگ شروع کر دی تھی، حتیٰ کہ اپنے کچھ 'انتہا پسندوں' کی جانب سے 'سوشلسٹوں' پر کفر کا فتویٰ لگنا بھی اُس دور میں ہمیں کچھ ایسا معیوب نہ لگتا تھا!

صاحبو! 'ڈیموکریسی' مغربی بلاک کے لیے ویسا ہی 'مقدس' درجہ رکھتی ہے جیسا مقدس درجہ مشرقی بلاک کے ہاں 'سوشلزم' کو حاصل تھا۔ اس کی عظمت قائم کروانے کے لیے مغرب ہر حد تک جا سکتا ہے۔ اس کے لیے لڑنا اور مرنا مرانا اس کے ہاں ہرگز کوئی عار کی

بات نہیں، بلکہ فخر کی بات ہے؛ قریب قریب وہی حیثیت جو ہمارے بچے بچے کے ذہن میں کسی وقت توحید اور رسالت کو حاصل ہوا کرتی تھی...!

کیوں نہ ہو؛ اپنے اپنے ”دین“ کے لیے ہر کوئی میدانِ جنگ میں اترتا ہے... دو واقعے، ایک دورِ انبیاء سے، اور دوسرا ’اکیسویں صدی‘ سے:

سلیمان علیہ السلام کو ھدھد آکر بتاتا ہے اور یہ ننھا موحد پرندہ اس پر حیران ہوتا ہے کہ خطۂ سبا میں تہذیب سے دور افتادہ ایک ایسی قوم پائی جاتی ہے جو ’آج بھی‘ خدائے رب العالمین کو چھوڑ کر سورج دیوتا کو پوجتی ہے! سلیمان علیہ السلام اس پر سفارت روانہ کرتے ہیں اور باقاعدہ لشکر کشی کے لیے آخری حد تک آمادہ ہو جاتے ہیں بلکہ قومِ سبا کو اَلٹی میٹم بھی جاری کر دیتے ہیں، یہ الگ بات کہ جنگ کے بغیر ہی سبا فتح ہو جاتا ہے۔

جارج بش اپنی قوم کو بتاتا ہے کہ عراق کے زرخیز اور تیل سے مالامال خطے میں ایک قوم ’آج بھی‘ ایسی پائی جاتی ہے جس کی زندگی ’ڈیموکریسی‘ کے بغیر گزرتی ہے اور جہاں ’ڈکٹیٹر شپ‘ کا دور دورہ ہے! جارج بش عراق کے اس ’ظلم اور اندھیرے‘ کے خلاف عازم جنگ ہو جاتا ہے اور اپنی اس جنگ کے لیے ڈیموکریسی کا ’مقدس نام‘ بار بار جپتا ہے بلکہ آس پاس کے پورے خطے کے لیے وہ ’ڈیموکریسی‘ کے حوالے سے قوم کو اس کا ’فرض‘ یاد دلاتا ہے اور اس کے راستے میں قربانیاں دینے کا عزم دہراتا ہے۔ امریکی قوم ”عراق کے انسان“ کو ’ڈیموکریسی‘ دلوانے کے لیے (کم از کم نعرہ یہی تھا) جارج بش کو جنگ پر جانے اور اپنے بچے مروانے کی منظوری دے دیتی ہے، اِس ’مادیت‘ کے دور میں بھی کہ جب بچے پیدا کرنا امریکی ماں کے لیے بے حد مشکل ہے!

ادھر اَفغانستان میں وہ ہمیں ’ڈیموکریسی‘ دے کر جانے پر ابھی تک بضد ہیں!

یاللعجب! ہمیں مارنے کے لیے بھی ڈیموکریسی، ہمیں امداد ملنے کی شرط بھی ڈیموکریسی، ہمیں بے وقوف بنانے کے لیے بھی ڈیموکریسی، ہم پر اپنی مرضی کے طبقے مسلط کیئے رکھنے کے لیے بھی ڈیموکریسی! کیا کوئی ہمیں سمجھا سکتا ہے 'اسلام کا وہ حصہ' جو 'ڈیموکریسی' سے متعلقہ ہے، اس میں امریکہ کی دلچسپی آخر ہے کیا؟؟؟

کیا واقعتاً ہم تھرڈ ورلڈ اقوام کا صحیح مصرف اِن ٹوٹی پھوٹی سڑکوں پر 'ڈیموکریسی' کی پر مشقت ریہرسل کرنا ہے؟ پون صدی کوئی کم عرصہ تو نہیں!

*****

حضرات! ایک چیز مغربی اقوام کے لیے "دین" کا درجہ رکھتی ہے، اس "دین" کا حوالہ اپنی تمام تاریخی و فکری جہتوں سے زمانے بھر میں معروف ہے، اُن کے مفکرین اُس (ڈیموکریسی) کی جیت کو اپنی جیت کہہ کر مسلسل آپ کے سامنے بغلیں بجا رہے ہیں یہاں تک کہ ایک 'طرزِ زندگی' کے پورے جہان پر غالب آجانے کا اعلان کر رہے ہیں، بلکہ The End Of History[2] کے باقاعدہ شادیانے بجارہے ہیں... اور ادھر ہمارے کچھ شکست خوردہ ذہن عین اُسی چیز (جس کو وہ اقوام اپنے "دین" کے طور پر پیش کرتی ہیں) کے حوالے اپنے 'اسلامی مصادر' سے دیتے چلے جارہے ہیں، بلکہ اپنے ہاں اِس پر معترض ہونے

---

[2] امریکہ کے ایک نہایت شہرت یافتہ دانشور فرانسس فوکویاما Francis Fukuyama کی شہرہ آفاق تصنیف: The End Of History And The Last Man جس کا مرکزی خیال یہ تھا کہ سرد جنگ کا اختتام محض ایک دور کا اختتام نہیں بلکہ انسانی ارتقاء کا ہی نقطۂ اختتام ہے۔ فوکویاما کی اِس تصنیف کا کہنا تھا کہ 'لبرل ڈیموکریسی' کی صورت میں انسانیت کو جہاں پہنچنا تھا وہاں پہنچ چکی اور جو پانا تھا وہ پاچکی۔ اب کوئی چھوٹی موٹی ترمیمات ہوں تو ہوں مگر کسی بڑی سطح پر انسان کے اِس عمرانی سفر میں اب آگے کچھ نہیں! یعنی مغربی بلاک کی اِس فتح اور اس کے نتیجے میں مغربی اقدار کی بالادستی پر انسان کی فکری و تہذیبی ترقی کا اختتام ہوتا ہے!!!

والے ہر شخص کو ’چپ‘ کروا رہے ہیں، کہ کہیں اسلام کو ایک ’پسماندہ‘ اور ’غیر جمہوری‘ مذہب نہ سمجھا جانے لگے!!!... کیا پوری امتِ محمدؐ اِس پر خاموش ہی رہے گی؟

صاحبو! سمندر میں جزیرے بنائے نہیں جاتے! ایک اصطلاح عالمی طور پر اگر ایک واضح معین مفہوم رکھتی ہے اور اس کی کچھ مخصوص دلالات connotations ہیں اور وہ اصطلاح ایک باقاعدہ حوالے کے طور پر دنیا بھر میں جانی پہچانی جاتی ہے تو دنیا کے چھوٹے سے کسی گوشے میں کچھ لوگوں کے ہاتھوں اس کو کچھ نئے معانی پہنا دینے کی کوشش نیک نیتی تو ضرور کہلا سکتی ہے البتہ عملاً یہ سمندر میں جزیرے کھڑے کرنے کے ہی مترادف ہوگا، جو کہ اصولاً عبث ہے اور عملاً محال۔

واقعتاً اگر آپ کا اپنا ایک جداگانہ مفہوم ہے اور وہ اپنے مضمون substance میں اس قدر مختلف ہے کہ ایک چیز شرک سے ہٹ کر اب توحید بن گئی ہے، یعنی ایک بعد المشرقین کا فرق لے آیا گیا ہے، (یعنی ایک اتنا بڑا فرق جس سے بڑا فرق دنیا میں کوئی پایا ہی نہیں جاسکتا).. تو جہاں اپنا ایک جداگانہ مفہوم سامنے لے آنے پر اتنی محنت کر لی گئی (جو کہ ہمارے نزدیک محل نظر ہے) وہاں اس کے لیے ایک عدد اصطلاح بھی جداگانہ رکھ لی ہوتی! تاکہ یہاں کے ’سادہ لوح‘ ڈیموکریسی کے عالمی طور پر جانے پہچانے حوالے سے ’مغالطہ‘ ہی نہ کھاتے! بلکہ ’ڈیموکریسی‘ کے اِس عالمی حوالے کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی کسی کو نہ رہتی! بلکہ یہ سوال ہی سرے سے نہ اٹھتا! **مغرب کا شرک بھی ایک ہی لفظ سے پہچان میں آجاتا اور ہمارے گلے میں پڑا خدائے رب العالمین کی غیر مشروط فرماں برداری کا طوق بھی ایک ہی لفظ بول کر سامنے آجاتا!**

لیکن اس صورت میں ظاہر ہے عالمی جاہلیت کی وہ واردات بھی نہ ہو سکتی جو ’ڈیموکریسی‘ کے اس عالمی نعرے کے پیچھے اصل ایجنڈا تھا! آپ خود سوچیے... ’ڈیموکریسی‘ کے اندر سے

غیر اللہ کی خدائی اور 'عوامی نمائندوں' کا حرفِ آخر ہونا نکال دیا جائے؛ یوں کہ اللہ مالک الملک کا نازل کیا ہوا ایک ایک حرف قانون ہو اور ایسا قانون کہ اُس احکم الحاکمین کے فرمادینے کے بعد نہ کسی کی رائے، نہ کسی کی 'منظوری' اور نہ کسی کے 'دستخط'.. یعنی 'ڈیموکریسی' سے اس کا اخص الخاص وصف ہی نکال باہر کیا گیا ہو اور اس کو دینِ انبیاء کی اخص الخاص حقیقت __ یعنی توحیدِ رب العالمین اور مطلق غیر مشروط طور پر اس کی شریعت کے آگے سر تسلیم خم کر دینا __ کا عکاس بنا دیا گیا ہو، تو کیا یہ ایک ہی بات آپ کو حیرت میں نہ ڈال دے گی کہ امریکہ اور پورا مغرب آپ کے ہاں 'ڈیموکریسی' کے قیام کے لیے اس قدر بے چین کیوں رہتا ہے؟!

حضراتِ گرامی!

'حاکم کے چناؤ کے معاملہ میں اسبتداد کو مسترد اور شوریٰ کو فرض کر دینے' پر بھلا کس مسلمان کو اعتراض ہو سکتا ہے، بشرطیکہ وہ ہماری اپنی تاریخی اصطلاحات کے ساتھ ہو؟ کیا آپ کو کوئی ایک بھی 'ڈیموکریسی' کو مسترد کرنے والا صالح مسلمان نظر آیا ہے جو ''شوریٰ'' کو لازم نہ جانتا ہو اور جو 'استبداد' اور 'آمریت' کو غلط نہ جانتا ہو؟ تو پھر کیا ہمارے یہ معزز دانشور حضرات کبھی غور فرمائیں گے کہ آخر اختلاف اور اعتراض ہے کہاں پر؟

ان دو واضح حقیقتوں کو بھلا کون شخص جھٹلا سکتا ہے کہ:

1) 'ڈیموکریسی' زمانۂ حاضر کی ایک معروف اصطلاح ہے اور اپنی خاص متعین عالمی و تاریخی دلالات connotations رکھتی ہے، اور یہ کہ :

2) 'ڈیموکریسی' کو مغرب اپنے نہایت امتیازی شعارات میں سے ایک شعار جانتا ہے؟

ان دو چیختے دھاڑتے حقائق کے ہوتے ہوئے، آپکو کوئی چیز اپنے دینِ کامل میں خود اپنی ایک بے ساختہ ترتیب اور اپنی امتیازی اصطلاحات کے ساتھ ملتی ہے، اور جس پر کوئی مسلمان داعی معترض نہیں.. تو کیا ہم جان سکتے ہیں کہ اپنے دین کے ایک شعار ''شوریٰ'' کا حوالہ دے کر وقت کے ایک معروف عالمی شعار 'ڈیموکریسی' کو ماتھے پر سجا لینے پر اتنا اصرار کیوں ہے...؟

آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں ''ڈیموکریسی'' ایسے ایک معروف عالمی شعار کے بیک وقت 'اسلامی' و 'غیر اسلامی' مفہوم زیب تن کر رکھنے کا کیا فائدہ ہوتا ہے...

یہ کہ... ہم دینداروں کو 'ڈیموکریسی' کا وہ حوالہ دے کر چپ کرا دیا جایا کرے جس کا تعلق کچھ 'مفروضوں hypothesis' یا طاقِ نسیاں کی نذر ہو جانے والے کچھ 'تصورات' سے ہے.. جبکہ وائٹ ہاؤس کے عالمی نامہ نگاروں سے کھچا کھچ بھرے ہال میں کسی اچھے رنگ کی ٹائی میں ملبوس ہمارا ایک صدر جس 'ڈیموکریسی' کے قیام اور بحالی کا __ زور دے دے کر __ یقین دلا رہا ہو اس کا تعلق 'واقع' اور 'حقائق' سے ہو! آخر کون ہے جسے سمجھ نہیں آتی؟!

یہ ہے اصل نقب جو 'جمہوریت' کے دھانے سے ہمارے گھر میں لگایا جاتا ہے۔ پس جمہوریت کے دو مونہہ نہایت کارآمد ہیں؛ جمہوریت کا 'اسلامی' مونہہ ہمیں مسحور کرنے کے لیے اور اس کا 'غیر اسلامی' مونہہ یہاں کے مغرب پرستوں کا اعتماد بحال رکھنے کے لیے!

بہت ہو لیا۔ ہماری 'شورائیت' اور اُن کی 'ڈیموکریسی' کے مابین پائی جانے والی اس 'لفظی مشابہت' سے خدارا کیا آپ ہماری جان چھڑوا سکتے ہیں؟

کیا آپ اتفاق نہیں کرتے کہ دنیا کے مختلف فریق 'ڈیموکریسی' سے ایک سی مراد نہیں لیتے؟ لفظ ایک ہے اور 'مراد' ہر کسی کی اپنی اپنی!!!!!؟... یعنی عین وہ چیز جو ایک طاقتور کو ایک کمزور کے ساتھ واردات کر جانے کا نہایت خوب موقعہ فراہم کرتی ہے!

اصطلاح ایک اور 'مفہوم' سب کا اپنا اپنا! ایک گاڑی کو دھکا سبھی مل کر لگائیں مگر اس کا اسٹیرنگ صرف ایک فریق کے پاس ہو! سبھی اس گاڑی کو اپنے اپنے وجود سے ایندھن فراہم کریں مگر وہ جائے ایک ہی فریق کی منزل پر! اس کو کہا جاتا ہے 'لفظی اشتراک'، یعنی ایک ایسا خوبصورت انتظام کہ جس میں ہم بڑی سادگی سے جاہلیت کا پانی بھرا کریں اور ہو سکے تو اس کے بہت سے ناز نخرے اٹھائیں اور اِس کی 'اخلاقی ضروریات' بھی بہم پہنچائیں، اور وہ بھی 'اسلام' کے نام پر اور 'عاقبت' خراب ہو جانے کے ڈر سے، کیونکہ جاہلیت اپنے حق میں کچھ شرعی 'فتاویٰ' بھی رکھتی ہے!

*****

حضرات 'اسلامی شورائیت' کو موضوعِ نزاع آخر بنایا ہی کس نے ہے؛ اور وہ تو حقیقت ہی کچھ اور ہے؟ 'ڈیموکریسی' کے ساتھ یہ خلطِ مبحث آخر پیدا ہی کیوں کیا جائے؟ البتہ لفظ 'ڈیموکریسی' کی اپنی کچھ تاریخی وفکری دلالتیں connotations ہیں، جن کی راہ سے ہمارے گھر میں ایک بہت بڑا نقب لگ جاتا ہے۔ یہ نقب روز بروز بڑا ہو رہا ہے؛ اور میرا نہیں خیال اس پر کوئی بھی ہمارے ساتھ اختلاف کرے گا۔

صورتحال کو اچٹتی نظر سے دیکھ لینا بھی بہت کافی ہے۔ خاطر جمع رکھئے، ملک کے نظام کا تمام تر رخ اب اُسی سمت کو ہے جو ایک معروف عالمی حوالہ کے طور پر 'ڈیموکریسی' کا کوئی اقتضاء ہو سکتا ہے۔ ایک چیز وہی کچھ پیدا کر سکتی ہے جس کے لیے وہ ہے۔ کچھ 'ضروری' مرحلے تھے جو سر ہوئے[3]، آگے آگے آپ کو وہی صورت نظر آئے گی جو بالآخر 'مادر پدر آزاد' پر ہی جا کر منتج ہو۔ ہمت ہو تو دیکھتے جائیے، یہ ایک نہایت خاص انداز اور ترتیب کے

[3] اس نظام کو اسلام پسندوں کی جو ضرورت رہی ہے، اس پر تھوڑا آگے چل کر بات آرہی ہے۔

ساتھ خود ہی برہنہ سے برہنہ تر ہوتی چلی جائے گی اور 'اندروں چنگیز سے تاریک تر' آپ سے آپ سامنے آتا چلا جائے گا۔ اپنے طبعی رخ پر پڑا ہوا یہ معاملہ جیسے جیسے ہمارے قابو سے باہر ہوتا جائے گا، جیسے جیسے 'چڑیاں کھیت چگتی' چلی جائیں گی اور 'پچھتانے' کا وقت ہاتھ سے نکلتا جائے گا، ویسے ویسے اِس کی اصل حقیقت ہم پر عیاں ہوتی چلی جائے گی۔ ہاں یہ 'تسلی' دلانے کی گنجائش ہمیشہ رہے گی کہ 'مغرب کی نسبت ابھی یہ بہت کم ہے'! بالکل اُسی طرح، جس طرح فحاشی اور عریانی کے حوالے سے "نوائے وقت" کا معاملہ ہمیشہ "جنگ" سے دس بارہ سال پیچھے رہتا ہے! اِس دوڑ کا نام اگر 'مشرقی جمہوریت' ہے تو ضرور یہ 'مغربی جمہوریت' سے ایک مختلف چیز ہے!

پس زیادہ امکان یہی ہے کہ 'ڈیموکریسی' کی صحیح 'اسپرٹ' کو سامنے لانے والی خواتین و حضرات ہی اب آنے والے دنوں میں یہاں منصہ سیادت پر ظہور کریں۔ اور 'صحیح اسپرٹ' سے مراد یہی ہے کہ 'ڈیموکریسی' کے ساتھ 'اسلامی' کا adjective لگوانے کے لیے ان خواتین و حضرات کو ذرا یاد کروانا پڑا کرے گا کہ جناب 'کتابوں' میں کہیں کہیں اِس کو 'اسلامی' بھی کہا گیا ہے! نیز 'قرار دادِ مقاصد' اور 'اسلامی دفعات' وغیرہ ایسی اشیاء کے ذکر خیر کے لیے بھی حافظے پر زور ڈالنا پڑے گا کہ ہاں یہ بھی ہے! یوں عنقریب آپ کو ایک 'جدید پاکستان' سے واسطہ پڑنے والا ہے، اگر آپ چاہیں تو اِس کے لیے ابھی سے تیار ہو لیں! خصوصاً آج 'ڈیموکریسی' کو جو 'روشن خیال میڈیا' اور 'ایک صاحبِ طرز سول سوسائٹی' کے خوبصورت شانے ملے ہیں ان کی بدولت لگتا یہی ہے کہ 'اسلامی جمہوریت' کی ترکیب کا مختصر ہو کر ایک 'لفظ' پر آجانا اب کوئی دن کی بات ہے !

ذرا اِن تیزی کے ساتھ سامنے آتے 'نئے' ٹرینڈز پر نگاہ ڈالئے، اور فرمائیے کیا ہماری اس بات میں ذرہ بھر کوئی مبالغہ ہے؟

حضرات! اس تیزی کے ساتھ 'جدید' ہوتے پاکستان کی 'جمہوری' رُتوں کا تھوڑا سا جائزہ لے کر تو دیکھئے۔ ایک جھلکی ہی اپنا آپ بتا دیتی ہے کہ دستور کی کچھ دور افتادہ شقوں کے حوالے سے آئے روز ہم ایک فضول بحث لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک کہانی بول بول کر اپنا آپ خود کہتی ہے۔ یہ اپنا رنگ خود بخود گہرا کر رہی ہے۔ آپ کو پوری 'کارروائی' ملاحظہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ 'تلاوتِ کلامِ پاک' کے وقت ہی آپ دیکھتے ہیں آپ کے ایوانِ نمائندگان کی آج کوئی ایک چوتھائی، یکلخت، 'دوپٹے' کی ضرورت مند ہو جاتی ہے! اور وہ بھی 'تلاوت' کے دوران دوران ہی کے لیے! یہ آپ کی مجلسِ قانون ساز ہے، جس کی بابت آپ کی قراردادِ مقاصد یہ کہتی ہے کہ خدا کے دیے ہوئے کچھ 'مقدس اختیارات' عوام کی راہ سے ان ہستیوں کو منتقل ہو چکے ہیں۔ پس جہاں آپ کو اپنی نگاہ نیچی کر لینا پڑتی ہے وہاں آپ کے سامنے خدا کے بخشے ہوئے کچھ 'مقدس اختیارات' کی مالک ہستیاں بیٹھی ہیں۔ ان خواتین کے لباس پر اور ان کی نشست و برخاست پر اور ان کے طرزِ حیات پر مت جایئے، ان 'اولی الامر' کی تو اطاعت مجھ پر اور آپ پر اللہ تعالیٰ نے فرض کر رکھی ہے، فِي الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَه![4] اپنی مرضی اور موڈ کی بات تھوڑی ہے، ہم تو اِن کی اطاعت کے شرعاً پابند ہیں!

---

4 احادیث میں آنے والے بیعت کے الفاظ (جن کا معنیٰ ہے: "ہم اپنی پسند کے وقت بھی اور ناپسند کے وقت بھی آپ کے اطاعت گزار رہیں گے") اور جو کہ "مسلم اولی الامر" کے روبرو کہے جاتے ہیں۔ یہاں ہمارے کچھ نیک طبقے ہیں جن کی زبان پر آپ ہر وقت یہ دعوت سنتے ہیں کہ 'دورِ حاضر کے حکمران طبقوں کے ساتھ ہم ویسا ہی تعامل اختیار کرنا ضروری سمجھتے ہیں جیسا سلف نے اپنے دور کے حکمرانوں کے ساتھ اختیار فرما رکھا تھا'۔ تو پھر آپ کے سامنے اِس 'اسلامی ڈیموکریسی' کے طفیل جو 'اولی الامر' دستیاب ہیں ان کی ایک چوتھائی وہ ہے جو 'تلاوتِ کلام کے وقت' دوپٹے کی ضرورت مند ہوتی ہے؛ ان کی 'اطاعت فی المعروف' کا وہ 'سلفی منہج' بھی پس آپ سے آپ عیاں ہے! کچھ باتیں اللہ کے فضل سے اتنی واضح ہیں کہ وہاں 'دلائل' دینا خوامخواہ کی مشقت ہے۔

اس پر، اتنے بڑے بڑے علمی ناموں اور فتووں کا ہم پر رعب ڈالا جائے گا اور ایسی اعلیٰ دستاویزات کے حوالے سنائے جائیں گے کہ ہمیں اپنے ایمان کی فکر تو ضرور ہی لاحق ہو جانی چاہیے! ’اجماعِ امت‘ کو ٹھکرانا کیا کوئی چھوٹا گناہ ہے!

پس ’ڈیموکریسی‘ کی تو باہر ہی نہیں اپنے یہاں اتنی قسمیں ہیں کہ سبھی طبقے مل کر کہیں پہنچنا چاہیں تو قیامت تک نہ پہنچ پائیں۔ کم از کم ہم اسلام پسند جو یہاں مالک الملک کے اتارے ہوئے ایک ایک حرف کو ہر دستور سے بالاتر دستور دیکھنا چاہتے ہیں اور خدا کے فرمائے ہوئے کے سامنے زبانیں بند، بحثیں ختم، حیل و حجت موقوف اور سر جھکے ہوئے دیکھنے کے متمنی ہیں.. کم از کم ہم اسلام پسندوں کی منزل اس راستے سے آنے والی نہیں۔ حضرات یہ وہ نظام ہی نہیں جو ”رسولؐ کے لائے ہوئے“ ایک ایک حکم کے آگے ’**سمعنا و اطعنا**‘ کہتا چلا جانے کے لیے وجود میں لایا گیا ہو۔

*****

ایک قابل غور سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا ابھی بھی اس سسٹم کو ’اسلام پسندوں‘ کی شرکت اور سرگرمی کی ’اشد ضرورت‘ ہے؟

ہماری ناقص رائے میں اس کی بہت بڑی ضرورت تو اب باقی نہیں۔ ’قراردادِ مقاصد‘ کا حوالہ اور دستور کی ’اسلامی دفعات‘ کا حوالہ اور کچھ مذہبی شخصیات کے دستخط یہاں کے ’غیر سیکولر معترضین‘ کو خاموش کروا دینے کے لیے قیامت تک کافی ہیں! لہٰذا اسلام پسندوں کی مزید خدمات کہیں فٹ ہوتی نظر تو نہیں آتیں۔ یہاں کے ناخداؤں کے تیور دیکھیں تو یہی بات عیاں ہوتی ہے کہ ”اسلام“ اور ”اسلام پسندوں“ کے ناز نخرے اٹھانا قیام پاکستان کے ابتدائی چند عشروں کی ضرورت تھی جو کہ بدرجۂ اتم پوری ہوئی۔ ”اسلام پسندوں“ سے جو

چاہیے تھا وہ لیا جاچکا۔ خود ''اسلام پسندوں'' کے پاس جو تھا وہ اپنے ہاتھ سے دے چکے۔ دی ہوئی چیز واپس لینا معیوب بھی ہے اور اب تو جان جوکھوں کا کام بھی! یہ نظام ایک بار ''اسلامی'' ثابت ہو چکا، اب ساتھ چلنا چاہیں بڑے شوق سے چلیں، البتہ چھوڑ کر جانا چاہیں تو معاملہ اب اتنا سادہ تھوڑی ہے! اب تو آپ اِس کو چھوڑ کر جاتے ہیں تو یہ ''اسلامی'' نظام سے انحراف ہو گا، جس کو ہمارے شرعی مصادر میں ''شذوذ'' سے تعبیر کیا گیا ہے (یعنی 'جماعت سے علیحدگی اور دوری' اختیار کرنا؛ جبکہ اسے 'اسلامی ریاست' اور 'الجماعۃ' کامیابی کے ساتھ ثابت کیا جاچکا اور ہماری ہی سعیِ مسلسل کے نتیجے میں یہ ہدف حاصل کرایا گیا)۔ تو پھر ''شذوذ'' کا حرام ہونا خود اسلام پسندوں سے بڑھ کر کس پر واضح ہو گا!؟

پس اسلام پسندوں کی کوئی اہمیت تھی تو وہ خیر سے پوری ہوئی۔ کچھ حوالے جو اسلام پسندوں کے دم سے ہاتھ آچکے، اب قیامت تک کے لیے کافی ہیں۔ یہ 'حوالے' اب صرف اور صرف سنبھال رکھنے کی چیز ہے اور حوالے 'سنبھال رکھنا' بھلا کیا مشکل ہے؟! خاص خاص مواقع پر اور کچھ مخصوص بحثوں کے دوران اب یہ 'کتابوں' سے نکال لئے جاتے رہیں گے!

؎ ہو چکی نماز، مصلیٰ اٹھایئے!